اصلاح النفس

(نفس کی اصلاح کا طریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	علوم کی اقسام	۸
۳	اصلاح نفس کی ضرورت واہمیت	۹
۴	فکر آخرت کی ضرورت	۹
۵	فکرِ موت	۱۰
۶	جاہلانہ مقولہ	۱۱
۷	حکم خداوندی	۱۲
۸	ہماری غفلت	۱۳
۹	ہمارے تقدس کا حال	۱۳
۱۰	خود کو نیک سمجھنے کی مثال	۱۴
۱۱	آمد مصیبت پر تعجب کیوں؟	۱۵
۱۲	فرعون کو چار سو سال کی مہلت دی گئی	۱۵
۱۳	قبولیت دعا کے اثر کا ظہور	۱۶

۱۴	جرم ونیکی کے بدلہ میں تاخیر	۱۶
۱۵	عذاب گناہ سے بے پرواہی	۱۷
۱۶	دینداروں کے امراض	۱۷
۱۷	امراض باطنی کا طریقہ علاج	۱۸
۱۸	ارتکاب گناہ پر ہمارے افسوس کرنے کی مثال	۱۹
۱۹	باطنی علاج کرانے میں ہمارا طرز عمل	۲۰
۲۰	کتب میں منقول بعض واقعات کی حقیقت	۲۱
۲۱	بلاطلب ہدایت نہیں ملتی	۲۲
۲۲	طالب بنو ہدایت مل جائے گی	۲۳
۲۳	ارادے اور تمنا میں فرق	۲۴
۲۴	ارادے اور ہمت کا کمال	۲۴
۲۵	نیکی اختیار کرنے میں ٹال مٹول	۲۵
۲۶	موت کا وقت آنے کے بعد مہلت نہیں ملتی	۲۷
۲۷	ہمارے ارادے کا حال	۲۸
۲۸	ضرورت بزرگان	۲۹
۲۹	ارادہ اور راہبر کی ضرورت	۳۰

۳۰	پیری مریدی	۳۱
۳۱	جاہل پیر کی حکایت	۳۱
۳۲	خود کام کرنے کی ضرورت	۳۲
۳۳	جواب لاجواب	۳۲
۳۴	پیری مریدی کی حقیقت	۳۳
۳۵	محنت کا فائدہ	۳۳
۳۶	طریق تربیت	۳۴
۳۷	حقیقت کمال اتباع رسول ہے	۳۵
۳۸	خود تراشیدہ معیار بزرگی	۳۶
۳۹	حضور ﷺ کی حالت	۳۶
۴۰	ایفائے عہد	۳۷
۴۱	پہلے لوگوں کی سادگی	۳۸
۴۲	بزرگوں کی توجہ کی حکایت	۳۹
۴۳	حضرت نجم الدین کبریٰ کا مقام بلند	۴۰
۴۴	بعد توجہ عمل کی ضرورت	۴۰
۴۵	ایک نظر میں کامل کردینے کی وجہ	۴۱

۴۶	کرنے کا کام	۴۲
۴۷	آخرت کی تیاری کی ضرورت	۴۳
۴۸	مسافروں کی دو قسمیں	۴۳
۴۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت خوف و رجاء	۴۵
۵۰	کثرت استغفار کی ضرورت	۴۵
۵۱	کرنے کے دو کام	۴۵
۵۲	اہل اللہ سے لوگوں کا برتاؤ	۴۶
۵۳	دعا کا اہتمام	۴۷
۵۴	کامیابی کا گر	۴۸

وعظ

اصلاح النفس

(نفس کی اصلاح کا طریقہ)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ ''اصلاح النفس'' ۵/صفر ۱۳۳۰ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں ممبر پر تشریف فرما ہو کر چار گھنٹے تک ارشاد فرمایا جس میں اپنی اصلاح کی فکر کرنے کی اہمیت اور اس کے طریقہ کو تفصیل سے بیان فرمایا اس سلسلے میں لوگوں کی غفلت اور لا پرواہی کو ذکر کیا۔ اور اس سلسلے میں پیدا ہونے والے اشکالات کا شافی جواب ارشاد فرمایا۔ یہ وعظ نفس کی اصلاح کے لئے نسخہ اکسیر ہے مولانا سعید احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم نے اس کو قلم بند فرمایا سامعین کی تعداد 150 تھی۔

خلیل احمد تھانوی

۲۶/ستمبر ۲۰۱۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتو کل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا نبیّنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

فقد قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ ۚ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اھۡتَدَیۡتُمۡ ؕ اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾(۱)

’’اے ایمان والو! لازم پکڑو اپنے اوپر اپنے نفسوں کو نہ نقصان پہنچا سکے گا تمہارا وہ شخص جو گمراہ ہے جبکہ تم نے ہدایت پائی اللہ تعالیٰ کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے پس اللہ تعالیٰ تم کو آگاہ کرے گا جو تم لوگ عمل کرتے ہو‘‘۔

تمہید

یہ وہی آیت ہے کہ جس کے متعلق اس کے قبل بھی بیان ہوا ہے اُس روز خیال تھا کہ آیت کے متعلق جتنا کچھ ضروری مضمون ہے وہ بیان ہوگیا ہے لیکن بعد کو تامل سے معلوم ہوا کہ ابھی آیت کے ایک جزو کے متعلق بیان کرنا باقی ہے کیونکہ آیت میں ایک جملہ انشائیہ ہے اور دوسرا جملہ خبریہ جو کہ معنیً انشائیہ ہے(۲) کیونکہ

(۱) سورۃ المائدہ: ۱۰۵ (۲) جملہ کی دو قسمیں ہیں ایک خبریہ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں دوسرا انشائیہ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں وجہ یہ ہے کہ اس میں خبر نہیں بلکہ کام کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس جگہ جملہ اگرچہ خبریہ ہے لیکن اس سے مقصود عمل کرنا ہے۔

ہر جگہ نفس خبر مقصود بالذات نہیں ہوتی۔

علوم کی اقسام

حاصل یہ ہے کہ علوم دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں کہ خود وہ علوم ہی مقصود بالذات ہیں جیسے عقائد مثلاً ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور اَلْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ﴾ ''آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ ایک ہے'' وزن (اعمال کا تولا جانا) اس دن حق ہے'' تو اس میں تو خود خبر ہی مقصود ہوتی ہے کیونکہ ان کے متعلق کوئی عمل نہیں ہوتا دوسرے وہ علوم ہیں کہ خود وہ علم مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُس علم سے عمل مقصود ہوتا ہے خواہ وہ امر ہو یا نہی [1] ایسے مقام پر اگر خبر یہ ہو تو وہ معنیً انشاء ہوگا جس کی تعیین قرائن سے ہوجائے گی [2] مثلاً اس مقام پر خدا تعالیٰ نے اول ایک امر فرمایا ہے [3] اس کے بعد جملہ خبر یہ ذکر فرمایا ہے جس سے مقصود اس امر کی تاکید ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اس امر کی مخالفت نہ کرو پس معلوم ہوا کہ اعمال میں خبر مقصود نہیں ہوتی لہذا میں اس خبر سے تعرض نہیں کرتا بلکہ صرف دو مضمونوں کو لیتا ہوں ایک امر کو دوسرے نہی کو جو کہ جملہ خبر یہ ہے مقصود ہے یعنی ﴿لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ سے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ تم دوسروں کی فکر میں نہ پڑو۔ گذشتہ جمعہ کو بیان کا زیادہ رُخ اسی نہی کی طرف رہا [4] اور آیت میں مقصود بھی زیادہ تر یہی ہے کہ دوسروں کی فکر میں نہ پڑو۔ اور اس وجہ سے امر کے متعلق کچھ بیان نہیں ہوسکا تھا اور صرف نہی کے متعلق بہت کافی مضمون بیان ہوگیا تھا کیونکہ اُس وقت تک ذہن میں یہ تھا کہ محیط فائدہ (۵) صرف لَا يَضُرُّكُمْ ہے۔

(۱) چاہے کسی کام کا حکم دیا جائے یا اس سے منع کیا جائے (۲) کسی قرینے سے اس کا تعین ہوگا (۳) حکم دیا ہے (۴) گذشتہ جمعہ انہی ممنوعہ احکام کو بیان کیا تھا (۵) دوسروں کی گمراہی سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا اس کو بیان کرنے سے مکمل فائدہ ہوجائے گا۔

اصلاح نفس کی ضرورت واہمیت

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ کے بیان کرنے کی ضرورت ہے اور اگر مسوق لہ الکلام صرف لا یضرکم ہے (۱) لیکن جملہ ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا﴾ کا زیادہ تعلق ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ سے ہے کیونکہ دوسروں کی فکر کرنا کچھ ایسا گناہ نہیں جس پر اس جملہ ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ کو مرتب فرمایا جائے پس وہ ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ کے ساتھ مرتبط ہے (۲) اور اُس پر مرتب ہے اور اس ترتب سے معلوم ہوتا ہے کہ عَلَيْكُمْ بھی مقصود ہے کیونکہ حاصل اس کا یہ ہے کہ چونکہ تم کو خدا کے پاس جانا ہے اس لئے تم اپنی فکر کرو اور غفلت میں نہ پڑو اور اپنی اصلاح کرو۔

بہرحال! یہ ایک ضروری مضمون ہے اس مقام پر بھی اور فی نفسہٖ بھی (۳) اس وقت اس کے بیان کرنے کی ضرورت یہ ہوئی کہ اگر ہم اپنی حالت میں غور کریں تو ہم کو معلوم ہو کہ ہم کن کن خرابیوں میں مبتلا ہیں ہاں! اگر غفلت ہی میں رہیں جیسا کہ اس وقت تک رہے ہیں تو اور بات ہے۔

فکر آخرت کی ضرورت

لیکن باوجود شدید غفلت کے اتنا ہر مسلمان کو علم ہے اور اگر غور کرے تو اس کو معلوم بھی ہو جائے کہ آخرت کی فکر کتنی ضروری ہے نیز اپنی حالتِ موجودہ میں غور کرنا اس ضرورت کو اور بھی مؤکد کر دیتا ہے (۴) کیونکہ ہر شخص اپنی روزمرہ کو دیکھ لے اور سوچ لے کہ اُس کے تمام وقت میں سے آخرت کی فکر میں کتنا وقت

(۱) اگرچہ اس مقام پر ''لا یضرکم '' تمہارا نقصان نہیں ہے یہ بات بیان کرنے کے لئے کلام کیا جارہا ہے (۲) علیکم انفسکم کے ساتھ الی اللہ مرجعکم جڑا ہوا ہے (۳) اس وقت بیان کرنا بھی ضروری ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے بھی ضروری ہے (۴) اس کی ضرورت کی مزید تاکید کرتا ہے۔

خرچ ہوتا ہے حالانکہ ہر شخص کے نزدیک موت کا آنا یقینی ہے بلکہ ایسا یقینی کہ دوسرے تمام خطرات اتنے یقینی نہیں۔ فرض کرو کہ ایک شخص کسی سخت مقدمہ میں ماخوذ ہو(۱) اور مسل پوری (۲) اس کے خلاف ہو تو اگرچہ اُس کو غالب گمان اپنے سزا پانے کا ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی رہائی کا احتمال بھی باقی رہتا ہے اسی طرح اگر ایک شخص کسی مُہلک مرض میں مبتلا ہو جائے تو جس طرح اس کو ہلاک ہونے کا گمان ہوتا ہے اسی طرح صحت کا بھی گمان ہوتا ہے غرض! ہر امر میں دونوں پہلو ہوتے ہیں لیکن باوجود اس کے بھی کس تندہی (۳) اور توجہ سے اس کی فکر میں مشغول ہوتے ہیں اور ہمہ تن اُسی میں کھپ جاتے ہیں لیکن موت میں کسی شخص کو بھی یہ احتمال نہیں کہ میں اس سے محفوظ رہوں گا نہ کافر اس سے بچے گا نہ مسلمان حتی کہ شیطان جو سب سے بڑا کافر اور شریر ہے اُس کو بھی ایک دن موت آئے گی کیونکہ اُس کو جو مہلت دی گئی ہے تو قیامت تک مہلت دی گئی ہے جیسا کہ ﴿اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ ''مہلت دیجیئے مجھ کو قیامت تک کے لئے'' سے ظاہر ہے غرض موت میں کسی کو شبہ نہیں بلکہ توحید جیسی یقینی چیز سے لوگوں نے انکار کیا مگر موت سے انکار نہیں کر سکے، معاد کے (۴) متعلق مختلف رائیں ہوئیں کوئی حق پر ہے کوئی باطل پر ہے لیکن موت میں سب متفق رہے۔

فکرِ موت

مگر باوجود اس قدر یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہونے کے اس کو ہم نے ایسا بھلا دیا ہے کہ یاد دلانے سے بھی ہم کو یاد نہیں آتی نہ تذکیر قولی سے نہ تذکری فعلی سے (۵)

(۱) پکڑا جائے (۲) روداد مقدمہ اس کے خلاف ہے (۳) کتنی محبت اور کوشش سے (۴) آخرت کے بارے میں (۵) نہ زبانی یاد دھانی سے نہ عملی یاد دھانی سے۔

مثلاً اگر ہمارے سامنے کوئی شخص مرتا ہے تو ہم اس کے جنازے میں شریک ہوتے ہیں قبرستان تک جاتے ہیں لیکن ہنستے کھیلتے چلے آتے ہیں ہمارے قلب پر تفکر یا تدبر کے آثار ذرا بھی نہیں ہوتے (۱) غرض کوئی مصیبت ایسی نہیں کہ ہم کو اُس سے موت کی طرف توجہ ہوجائے تو صاحبو کیا یہ حالت مہمل چھوڑنے کے قابل ہے کیا یہ ضروری العلاج نہیں (۲) اگر ہے تو فرمایئے آج تک اس کا کیا علاج کیا؟ اگر نہیں کیا تو اب کرنا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ علاج میں جس قدر دیر اور غفلت کی جاتی ہے مرض بڑھتا جاتا ہے چنانچہ مشاہدہ ہے ہر شخص غور کرلے کہ جس قدر خوف بچپن میں تھا جوانی میں نہیں ہے اور جس قدر جوانی میں ہے بڑھاپے میں نہیں ہے حتی کہ بعض افراد ایسے بھی ہیں کہ سالہا سال تک اُن کو ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور بعض کو اگرچہ موت یاد ہے لیکن خوف اور دَہل نہیں ہے۔ دیکھو اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ میرے گرفتار کرنے کے لئے گارد پھرتی ہے (۳) تو اس کے قلب کی کیا حالت ہوگی کہ عیش تلخ ہوجاتا ہے (۴) چین آرام برباد ہوجاتا ہے ہر وقت یہ دُھن ہوتی ہے کہ کسی طرح میں اس مصیبت سے نجات پاؤں غرض موت سے ہر وقت ڈرنا چاہیئے خصوصاً جبکہ گناہوں کا انبار بھی سر پر لدا ہوا ہو جس سے سزا کا بھی سخت اندیشہ ہے آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی۔

جاہلانہ مقولہ

مگر ہم لوگ اس سے ایسے بے خبر ہیں کہ کسی مصیبت میں گناہوں کو کبھی یاد ہی نہیں کرتے بلکہ مصیبت میں اکثر یہ مقولہ زبان پر لے آتے ہیں کہ ''کرتو ڈر، نہ کرتو ڈر'' (۵) مطلب یہ کہ ہم نے تو کوئی جرم نہیں کیا مگر اڑنگے میں آگئے (۶)

(۱) ہمارے دل میں اس کے بارے میں سوچ وفکر (۲) کیا اس کا علاج ضروری نہیں ہے (۳) پولیس اس کی تلاش میں ہے (۴) سکون واطمنان ختم ہوجائے گا (۵) یعنی کوئی گناہ کروتب بھی ڈرو اور نہ کروتب بھی ڈرو (۶) ہم نے کوئی جرم نہیں کیا ویسے ہی پھنس گئے ہیں۔

سو خوب سمجھ لو کہ یہ ایک جاہلانہ مقولہ ہے کیونکہ نہ کر کے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ورنہ اگر کچھ نہ کر کے بھی ڈرنا ضروری ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ گویا ظالم ہیں خوب یاد رکھو کہ ایسا کہنا سخت توہین کرنا ہے خدا تعالیٰ کی۔ صاحبو! خدا تعالیٰ تو کئے پر بھی بہت کم گرفت کرتے ہیں اور بے کئے تو پکڑتے ہی نہیں۔

حکم خداوندی

چنانچہ قرآن شریف میں منصوص ہے: ﴿وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ﴾(۱) ''جو تم کو پہنچتی ہے مصیبت اور تکلیف تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت سی تو درگزر ہی کر دیتا ہے''

یعنی ہمارے کرتوتوں میں بھی بہت سے معاف ہو جاتے ہیں اور ان پر گرفت نہیں ہوتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چور کو گرفتار کیا اور قطع ید کا حکم دیا اُس چور نے کہا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ یہ میرا پہلا قصور ہے مجھے معاف کر دیجئے پھر کبھی نہ کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو غلط کہتا ہے خدا تعالیٰ پہلے جرم میں کسی کو رسوا(۲) نہیں کرتے چنانچہ تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے قبل بھی دو تین مرتبہ چوری کر چکا ہے۔

حلمِ حق با تو مواسا ما کند   چونکہ از حد بگذری رسوا کند

''خدا تعالیٰ کا حلم تیری رحمت و ہمدردی کرتا ہے اگر جب تو حد سے گزر جاتا ہے تو ذلیل کرتا ہے''

خدا تعالیٰ کا حلم بہت کچھ مواسات(۳) کرتا ہے لیکن جب ہم حد سے

(۱) سورۂ شوریٰ: ۳۰ (۲) شرمندہ نہیں کرتے (۳) درگزر فرماتا ہے۔

بالکل ہی نکل جائیں تو آخر غیرتِ خداوندی ہم کو رسوا کر دیتی ہے (۱) غرض خدا تعالیٰ گناہوں پر بھی ہم کو بہت کم پکڑتا ہے۔

ہماری غفلت

لیکن چونکہ ہم لوگ اپنے بہت معتقد ہیں اپنے معاصی کی خبر ہم کو نہیں ہے اور بعض اوقات تجاہل بھی ہوتا ہے کہ غفلت کی وجہ سے ہم کو پتہ نہیں چلتا چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ خدا جانے ہم نے کیا گناہ کیا تھا کہ یہ مصیبت ہم پر نازل ہوئی اللہ اکبر گویا ہم کو کسی وقت اپنے گناہ سے خالی ہونے کا بھی گمان ہوتا ہے۔ صاحبو! اپنے گناہوں سے غفلت کرنا بہت بڑا مرض ہے جس میں ہم سب مبتلا ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ دوسرے لوگ بھی اُن کے معتقد ہیں ایسے لوگ اور بھی زیادہ تباہ ہوتے ہیں کیونکہ اُن کے پاس اپنے تقدس (۲) کی گویا دلیل بھی موجود ہوتی ہے کہ جب اتنے لوگ ہم کو اچھا کہتے ہیں تو یقیناً ہم اچھے ہوں گے۔

ہمارے تقدس کا حال

ہماری بالکل وہ حالت ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک مکتب کے لڑکوں نے اتفاق کیا کہ آج اُستاد صاحب سے چھٹی لینی چاہئیے اور تو کوئی سبیل نہ نکل سکی آخر اس پر رائے ٹھہری (۳) کہ جب استاد صاحب آئیں تو سب مل کر اُن کی مزاج پرسی کرو اور اُن کو بیمار بتلاؤ چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا دو چار لڑکوں کو تو اُستاد صاحب نے جھڑک دیا لیکن جب متواتر (۴) سب نے یہ ہی کہا تو استاد صاحب کو بھی خیال ہوا آخر سب کو لے کر گھر چلے گئے اور حکم کیا کہ تم دہلیز میں بیٹھ کر پڑھو

---

(۱) شرمندہ (۲) نیکی (۳) جب کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آیا تو یہ تدبیر کی (۴) مسلسل۔

میں گھر میں آرام کرتا ہوں لڑکوں نے دیکھا کہ مقصود اب بھی حاصل نہ ہوا تو آخر نہایت زور سے چلاکر پڑھنا شروع کیا اُستاد صاحب کو مصنوعی درد وغیرہ تو پیدا ہو ہی گیا تھا چلاکر پڑھنے سے اُس میں واقعی ترقی ہونے لگی مجبور ہوکر سب کو چھوڑ دیا جیسا وہ معلم لڑکوں کے کہنے سے مبتلائے وہم مرضِ جسمانی ہوگیا تھا(۱) سب معتقدین کے کہنے سے مبتلائے وہم مرضِ نفسانی یعنی گمانِ تقدس(۲) ہوگئے ہیں لیکن بطور لطیفہ یہ بھی کہا جائے گا کہ ایسے لوگوں میں جہاں اپنے کو مقدس سمجھنے کا مرض ہے اس کے ساتھ ہی یہ خوبی بھی ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو بھی مقدس سمجھتے ہیں کہ اُن کے خیال کو باوقعت(۳) جانتے ہیں تو خیر ان میں جہل کے ساتھ تواضع بھی ہے۔

خود کو نیک سمجھنے کی مثال

مگر یہ اعتقاد دوسروں کو اس باب میں سچا سمجھنے کا ایسا ہے کہ جیسے کسی نائن(۴) نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ نتھ(۵) اُتار کر منہ دھورہی ہے نتھ اتری دیکھ کر فوراً اپنے شوہر کے پاس دوڑ گئی اور کہا کہ بیوی صاحبہ تو بیوہ ہوگئیں جلدی جاکر اس کے شوہر کو خبر کر نائی صاحب فوراً اس بیوی کے شوہر کے پاس پہنچے اور کہا کہ حضور آپ کیا بے فکر بیٹھے ہیں آپ کی بیوی صاحبہ بیوہ ہوگئیں ججمان صاحب(۶) نے رونا شروع کردیا گریہ وبکاء(۷) کی آواز سن کر دوست احباب جمع ہوگئے سبب پوچھا تو یہ لغو حرکت معلوم ہوئی دوستوں نے کہا کہ بھائی جب تم زندہ ہو تو تمہاری بیوی کیونکر رانڈ(۸) ہوگئیں آپ فرماتے ہیں کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ نائی

---

(۱) جسم کے بیمار ہونے کے وہم میں مبتلاء ہوگیا تھا (۲) نفسانی وہم کے مرض یعنی اپنے کو اچھا سمجھنے میں مبتلا ہوگئے (۳) قابل قدر (۴) نائی کی بیوی (۵) ناک کا زیور (۶) برہمنوں یا فائبون کا آقا اور مربی جس کا وہ کئی پشتوں سے کام کرتے آرہے ہوں ججمان کہلاتا ہے (۷) رونے اور چلانے کی آواز سنکر (۸) بیوہ مرگئی۔

نہایت معتبر شخص ہے یہ جھوٹ نہ بولے گا یہی ہماری حالت ہے کہ اپنے گناہوں کا ہم کو علم ہے اپنی حالت خوب جانتے ہیں لیکن محض اس وجہ سے کہ دوسرے لوگ ہم کو اچھے کہتے ہیں ہم بھی اپنے معتقد ہوگئے۔

آمد مصیبت پر تعجب کیوں؟

اور بعض ایسے بھی ہیں کہ اُن کا کوئی معتقد نہیں لیکن وہ پھر بھی اپنے معتقد ہیں تو چونکہ تقدس کا یقین اپنے اوپر ہے اس لئے اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ کیوں ہم پکڑے گئے۔ صاحبو! ہم کو تو نہ پکڑے جانے پر تعجب ہونا چاہیئے۔ جو شخص روزانہ ڈکیتی ڈالتا ہو اگر چھ ماہ تک بچا رہے تو تعجب ہے اور گرفتار ہوجائے تو کچھ بھی تعجب نہیں۔ ہم لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جن گناہوں پر مؤاخذہ(۱) نہیں ہوا اُن سے خدا تعالیٰ ناراض نہیں ہوئے چنانچہ جب مصیبت کے التفات کرتے ہیں تو نئے گناہوں کو دیکھتے ہیں۔

فرعون کو چار سو سال کی مہلت دی گئی

حالانکہ یہ کچھ ضروری نہیں کہ اگر گناہ آج کیا ہو تو آج ہی مؤاخذہ بھی ہو دیکھئے اگر کوئی شخص کچی مٹھائی کھالے تو عادۃً پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں لیکن یہ کچھ ضروری نہیں کہ جس روز کھایا ہے اُسی روز نکلنے لگیں۔ فرعون نے چار سو برس تک خدائی کا دعویٰ کیا لیکن سر میں درد بھی نہیں ہوا اور پکڑا گیا تو اس طرح کہ ہلاک ہی کردیا گیا خدا تعالیٰ کے ہاں ہر کام حکمت سے ہوتا ہے کبھی ہاتھ در ہاتھ سزا مل جاتی ہے اور کبھی مدت کے بعد گرفتاری ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا نیکیوں میں بھی کبھی ہاتھ در ہاتھ جزا دے دی جاتی ہے کبھی توقف ہوتا ہے۔

(۱) پکڑ نہیں ہوئی (۲) کبھی فوراً سزا ملتی ہے۔

قبولیت دعا کے اثر کا ظہور

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لئے بددعا فرمائی اور قبول بھی ہوگئی چنانچہ ارشاد ہوا ﴿قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ ''بیشک تم دونوں کی دُعا قبول کرلی گئی'' لیکن باوجود دعا کے قبول ہوجانے کے اُسی وقت اس پر اثر مرتب نہیں بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ ﴿فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ ''پس تم دونوں موسیٰ وہارون علیہما السلام ثابت قدم رہنا اور نادانوں کا طریقہ اختیار نہ کرنا'' کہ تم دونوں ترتبِ اثر (۱) میں جلدی نہ کرنا یہ نادانوں کا طریقہ ہے بلکہ استقامت (۲) اور استقلال سے کام لینا حتیٰ کہ چالیس برس تک حضرت موسیٰؑ نے انتظار کیا اور اس کے بعد فرعون اور اُس کی قوم ہلاک ہوئی۔

جرم و نیکی کے بدلہ میں تاخیر

ان دونوں واقعوں سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ نہ کسی جرم پر فوراً اثر مرتب ہونا ضروری ہے نہ نیکی پر چنانچہ فرعون کو چار سو برس کی مہلت دی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال تک منتظر رکھا گیا اور جب یہ ہے تو اگر کبھی جرم کی فوراً سزا نہ ملی تو اس کی نسبت یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اس جرم سے خدا تعالیٰ ناخوش نہیں ہوئے یا یہ جرم قابلِ سزا و گرفت نہ تھا یا ہم کو معاف کردیا گیا لوگ اس غلطی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہمیشہ نئے گناہ کو دیکھا کرتے ہیں اور جب کوئی نیا گناہ نظر میں نہیں آتا تو اپنی مصیبت پر تعجب کرتے ہیں اور گویا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرکے یہ کہتے ہیں کہ ''کرتو ڈر نہ کرتو ڈر'' (۳) صاحبو! کسی مسلمان کے منہ سے اس جملہ کا نکلنا سخت حیرت ہے کیا کسی

(۱) اثر مرتب ہونے میں جلدی نہ کرنا (۲) مستقل مزاجی (۳) کام کرکے بھی ڈرو اور نہ کرکے بھی ڈرو۔

کے نزدیک خدا تعالیٰ کی سلطنت اور وہ کے نوابوں کی سلطنت ہے کہ جس کا کوئی ضابطہ ہی نہیں جب جس طرح جی چاہا کرلیا خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔

عذاب گناہ سے بے پرواہی

مقصود یہ ہے کہ دنیا کے خطرات کو تو یہاں تک مہتم بالشان بنایا کہ کچھ نہ کرکے بھی ڈرتے ہیں۔ اور آخرت کے بارے میں اس قدر غفلت ایسی بے پروائی کہ آئے دن سینکڑوں خرافات میں مبتلا ہیں ہزاروں گناہوں کے بار میں دبے جاتے ہیں (۱) لیکن ذرا بھی پروانہیں کیا یہ مرض نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو کیا اس کی تدبیر ضروری نہیں ہے۔ صاحبو! یہ یاد رہے کہ جس قدر اس کی جانب سے غفلت ہوگی تدبیر دشوار ہوتی جائے گی اور صاحبو! ہماری وہ حالت ہے کہ

ع		تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم (۲)

یعنی ایک تو یہ مرض تھا جو ابھی بیان ہوا ہے۔

دینداروں کے امراض

دوسرا مرض جو دینداروں میں زیادہ ہے یہ ہے کہ جب کبھی ان کی حالتِ زاران (۳) کو یاد دلائی جاتی ہے تو تنبہ ہوتا ہے (۴)۔ لیکن صرف اس قدر کہ تھوڑی دیر روئے بڑی ہمت کی ایک دو وقت کا کھانا ترک کردیا صورت غمگین بنا کر بیٹھ گئے لیکن تدبیر کی جانب ذرا توجہ نہیں بلکہ اس غمگینی میں بھی اگر کوئی دنیا کا قصہ یاد آگیا تو فوراً اُس میں مصروف ہوگئے خوب کہا ہے ؎

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند		حق را بسجودے و نبی را بدرودے

---

(۱) ہزاروں گناہوں کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں (۲) سارا جسم زخمی ہے مرہم کا پھایہ کہاں کہاں رکھا جائے (۳) ان کی بری حالت پر متوجہ کیا جاتا ہے (۴) تو کچھ خیال ہوتا ہے۔

’’تم اُس قوم میں سے مت ہو جو کہ حق تعالیٰ کو فریب میں ڈالتی ہے اپنے سجدے سے اور نبی ﷺ کو درود سے‘‘

بعض لوگ ان سے بھی چند قدم آگے ہیں کہ تاسف(۱) سے پریشان بھی ہوتے ہیں لیکن باوجود اس کے بھی کبھی تدبیر کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور تدارک کا خیال نہیں ہوتا حالانکہ نری پریشانی سے کیا ہوسکتا ہے(۲) اگر کسی شخص کو اول درجہ دق(۳) کا شروع ہوجائے اور اس کو اطلاع بھی ہوجائے اور پریشانی بھی ہونے لگے لیکن وہ صرف یہی کرے کہ جب کوئی اُس سے ملنے کو آئے تو اس کے سامنے رونا شروع کردے اور دن رات کڑھا کرے مگر علاج کی طرف توجہ نہ کرے تو نتیجہ اس کا کیا ہوگا صرف یہ ہی کہ دس پانچ روز میں دوسرا تیسرا درجہ بھی شروع ہوجائے گا اور آخر کار ایک روز خاتمہ ہوجائے گا تو غلطی اس کی یہ ہے کہ پریشانی کو علاج سمجھتا ہے حالانکہ تدبیر اس کی یہ تھی کہ روپیہ خرچ کرتا طبیب سے رجوع کرتا تلخ(۴) دواؤں پر صبر کرتا اور پرہیز پر مستعد(۵) ہوجاتا اگرچہ کسی ایک کے آگے بھی پریشانی کا اظہار نہ کرتا۔

امراض باطنی کا طریقۂ علاج

اسی طرح امراضِ باطنی اور معاصی میں بھی اصل تدبیر یہی ہے کہ کسی کامل کی طرف رجوع کرے گناہوں سے پرہیز پر مستعد ہوجائے تلخ تجاویز پر صبر کرے۔ اس تدبیر سے انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں امراض دور ہوجائیں گے اور اخلاقِ حسنہ پیدا ہوں گے خوب کہا ہے ؎

(۱) افسوس سے (۲) صرف پریشان ہونے سے کیا ہوتا ہے (۳) تپ دق کے ابتدائی درجہ میں مبتلاء ہوجائے (۴) کڑوی دواؤں (۵) پرہیز کے لئے تیار ہوتا۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد　　اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

''وہ عاشق ہی کیسا جس کی طرف محبوب کبھی التفات ہی نہ کرے۔ اے دوست تجھے کوئی مرض ہی نہیں ورنہ طبیب تو موجود ہے وہ کیوں برائے علاج نہیں آتا''

یہ شیطان کی رہزنی ہے کہ دین کے رنگ میں دین سے ہٹا رہا ہے یعنی یہ خیال دل میں جمادیا ہے کہ صرف گریہ وبکا(۱) ہی کافی ہوجائے گا۔ عُرفی کہتا ہے ۔

عرفیؔ اگر بہ گریہ میسر شدے وصال　　صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

''اگر رونے رگڑ گڑانے سے وصال میسر آجاتا تو سو سال اسی طرح تمناؤں میں گذار دیتے''

ارتکاب گناہ پر ہمارے افسوس کرنے کی مثال

مشہور ہے کہ ایک شخص نے ایک بدوی کو دیکھا کہ وہ بیٹھا رو رہا ہے اور سامنے ایک کتّا پڑا سسک رہا ہے بدوی سے رونے کا سبب پوچھا تو کہا یہ کتّا میرا رفیق تھا چونکہ مر رہا ہے اس کے غم میں رو رہا ہوں اس شخص نے کتّے کے مرنے کا سبب پوچھا تو بدوی نے کہا کہ صرف بھوک سے مر رہا ہے یہ سن کر اس شخص کو بہت صدمہ ہوا نظر اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک بوری نظر پڑی بدو سے پوچھا کہ اس بوری میں کیا چیز ہے بدو نے جواب دیا کہ اس میں روٹی ہے اس شخص نے کہا کہ ظالم تیرے پاس روٹی موجود ہے اور کتّا بھوکوں مر رہا ہے اور اُس کے مرنے کا تجھے غم ہے تو اس میں سے روٹی نکال کر کیوں نہیں کھلا دیتا تو آپ کہتے ہیں کہ صاحب اتنی محبت نہیں کہ اِس کو روٹی بھی دے دوں کیونکہ اس کو دام لگتے ہیں ہاں اتنی محبت ہے کہ اس کے غم میں رو رہا ہوں کیونکہ آنسو میں تو دام نہیں خرچ ہوتے ۔

(۱) صرف رونا دھونا اور شور مچانا ہی کافی ہوجائے گا۔

گر جاں طلبی مضائقہ نیست   وزر طلبی سخن دریں ست

’’اگر جان طلب کروتو کوئی حرج نہیں ہے اگر پیسہ طلب کروتو کلام اس میں ہے‘‘

ہماری وہی حالت ہے کہ گھر باہر سب تمہارا لیکن کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ کہ گناہوں میں مبتلا ہونے سے رنج بھی ہے اوران کے مٹ جانے کی تمنا بھی ہے لیکن تدبیر نام کونہیں ہاں ہے تو صرف اس قدر کہ دوآنسو بہالئے۔

باطنی علاج کرانے میں ہمارا طرزِ عمل

اور بعض لوگوں کو توجہ بھی ہوتی ہے تدبیر بھی کرتے ہیں لیکن یہ کہ کسی بزرگ کے پاس گئے اوراپنی حالت بیان کر کے فرمائش کی آپ کچھ توجہ کیجئے۔اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص طبیب کے پاس جائے اوراپنے امراض کو بیان کرے اور جب طبیب نسخہ تجویز کرے تو اُس سے کہے کہ حکیم صاحب میری طرف سے یہ نسخہ آپ ہی پی لیں۔ظاہر ہے کہ اس شخص کو ساری دنیا احمق کہے گی اورسب لوگ قہقہ لگائیں گے۔بس یہی حالت طالبین توجہ (۱) کی بھی ہے کہ مریض تو یہ مگر توجہ کریں بزرگ اور یہ توجہ نہ کریں۔حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ جب بمبئی تشریف لے گئے تو ایک سوداگر نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھے حج نصیب کرے آپ نے فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کروں گا وہ یہ کہ جس دن جہاز چلے اُس دن مجھے پورا اختیار اپنے نفس پر دیدو کہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہاز میں تم کو بٹھلادوں اور وہ جہاز تم کو لے کر روانہ ہوجائے اور جب تک یہ نہ ہوصرف میری دعا سے کیا کام چل سکتا ہے کیونکہ جب تم قصد نہ کروگے (۲) دنیا کے کاروبار کو نہ چھوڑوگے نہ وہ خود کم ہوں گے تو صرف میری دعا

(۱) شیخ کی توجہ کو طلب کرنے والے (۲) ارادہ۔

تم کو حج کیونکر کرادے گی۔ کیونکہ خود کعبہ تو تم تک آنے سے رہا اس کو کیا غرض پڑی ہے۔

کتب میں منقول بعض واقعات کی حقیقت

اور جن کو یہ شرف نصیب ہو بھی گیا ہے تو ان کو بھی اس صورت سے حج نصیب نہیں ہوا اور یہ مضمون کہ بعضوں کو یہ شرف کعبہ کے از خود آنے کا نصیب ہوا ہے قابل ذکر کے نہ تھا کہ نازک مضمون ہے لیکن ضرورت اس کے ظاہر کرنے کی یہ ہوئی کہ آج کل تمام علوم اردو میں ہوتے جاتے ہیں ممکن ہے کہ کسی کی نظر سے یہ حکایت گزرے کیونکہ بعض بزرگوں کی نسبت یہ مشہور ہے کہ مکہ معظّمہ پہنچے تو جا کر دیکھا کہ کعبہ نہیں ہے سخت حیرت ہوئی اور باری تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے معلوم ہوجائے کہ اس وقت کعبہ کہاں ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ ہم منکشف کئے دیتے ہیں دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ آرہے تھے کعبہ اُن کے استقبال کو گیا ہوا تھا اور یہ حکایت تین فرقوں کو مُضر ہوئی ایک تو اُن کو جنہیں دین سے کچھ بھی تعلق اور واسطہ نہیں ایسے لوگوں نے تو اس کی تکذیب کی اور کہنے والوں پر ہنسنا اور وہم پرست کہنا شروع کیا دوسرے اُن دینداروں کو جو کہ محض ظاہر پرست ہیں ایسے لوگوں نے اُن کو صوفیہ کے ڈھکوسلے کہہ کر اُڑایا۔ تیسرے اُن لوگوں کو جو فلسفی دماغ کے ہیں اور تاریخ اُن کا نصب العین ہے انہوں نے اُس کو خلافِ عقل بتلایا اور یہ اعتراض اُس پر کیا کہ اگر ایسا ہوتا تو تاریخوں میں اس کا تذکرہ ضروری ہوتا سو ہم نے کسی تاریخ میں نہیں دیکھا حالانکہ ان تینوں کی حالت یہ ہے۔

ع چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ روند (۱)

(۱) جب حقیقت تک نہ پہنچ سکے تو اس کو افسانہ کا نام دے دیا۔

غرض اس ضرورت سے اس مضمون کا ذکر ضروری ہوا تو سمجھو کہ ایک تو کعبہ ظاہری اُس کا مظہر ہے پس جن بزرگ نے یہ دیکھا کہ کعبہ اپنی جگہ نہیں ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ روحِ کعبہ زائرین کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ ان بزرگ کی طرف متوجہ ہے (۱)۔ غرض بعضے ایسے بزرگ ہوئے ہیں کہ جن کی طرف کعبہ نے خود توجہ کی لیکن حج کرنے کے لئے اُن کو بھی خود کعبے ہی میں آنا پڑا اور جب ایسوں کو بھی خود کعبے کی طرف جانے کی احتیاج تھی تو اس سوداگر کو تو کیوں ضرورت نہ ہوگی اور یہ تجارت چھوڑ کر جائیں نہیں تو محض حاجی صاحب کی دُعا سے ان کو کیا نفع ہوسکتا ہے تو جو لوگ کچھ تدبیر کرتے بھی ہیں صرف اس قدر کرتے ہیں۔

بلاطلب ہدایت نہیں ملتی

صاحبو! خیال کیجئے ابو طالب جو کہ رسولِ مقبول ﷺ کے حقیقی چچا ہیں اور بہت بڑے محبّ کہ جس موقعہ پر تمام قریش نے مخالفت کی اور آپ کے دشمن ہوگئے اُس موقعہ پر بھی ابوطالب نے ساتھ دیا اور اس کے ساتھ ہی حضور ﷺ کو بھی اُن سے بہت محبت تھی اور آپ نے بے حد کوشش اُن کے مسلمان ہونے کی فرمائی لیکن محض اس وجہ سے کہ انہوں نے ارادہ نہیں کیا حضور ﷺ کی کوشش اور محبت کچھ بھی اُن کے کام نہ آئی اور آخر کار اپنی قدیم ملت پر ان کا خاتمہ ہوگیا اس پر حضور ﷺ کو بہت رنج ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ ج ﴾ (۲) ”بیشک آپ ہدایت نہیں دیتے جس شخص کو آپ چاہیں لیکن بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں“

---

(۱) بیت اللہ کی روح ان بزرگ کی طرف متوجہ ہے اگرچہ بیت اللہ کا وجود اپنی جگہ ہے۔ ان بزرگ کو اس بات کا ادراک ہوا تھا کہ اس وقت روح بیت اللہ موجودین کی طرف متوجہ نہیں ہے اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا کہ بیت اللہ موجود نہیں ہے (۲) سورۃ القصص: ۵۶۔

طالب بنو ہدایت مل جائے گی

اس موقعہ پر ایک بات طالب علموں کے کام کی ذہن میں آئی وہ یہ کہ یَشَآءُ کی ضمیر جس طرح خدا تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ چاہیں ہدایت دیں اسی طرح مَنْ کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ جو شخص خود اپنی ہدایت چاہے اس کو خدا تعالیٰ ہدایت فرماتے ہیں اور دلیل اس معنی کے صحت کی یہ آیت ہے ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾(۱) ''اور جو شخص آخرت (کے ثواب) کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جیسی سعی کرنا چاہئے ویسی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی''

کیونکہ اَرَادَ اور یَشَاءُ ایک ہی بات ہے تو معلوم ہوا کہ اصلاح کا مدار خود اپنے چاہنے پر ہے دوسرے کے چاہنے اور کوشش کرنے سے کچھ نہیں ہوتا ہاں یہ ضرور ہے کہ اِس کا ارادہ اُسی وقت بار آور ہوگا کہ جب خدا تعالیٰ بھی چاہیں لیکن اس کا چاہنا بھی ضرور ہے تو مَن کی طرف اگر ضمیر راجع ہو تو معنی بہت لطیف ہوں گے کہ ہدایت اُس کو ہوتی ہے جو خود اپنی ہدایت چاہے اور ابو طالب نے چاہا نہیں اس لئے ہدایت نصیب نہیں ہوئی اور جب ابو طالب کو بھی حضور ﷺ کے چاہنے سے کچھ نفع نہ ہوا تو آج کون شخص ہے جو ابو طالب سے زیادہ حقدار ہو اور کون بزرگ ہے جس کی تمنا حضور ﷺ کی تمنا سے زیادہ مقبول ہو پس معلوم ہوا کہ جب تک خود ارادہ نہ کرے دوسرے کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

---

(۱) سورہ بنی اسرائیل: ۱۹۔

ارادے اور تمنا میں فرق

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ ہمارا ارادہ تو ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے کیونکہ تمنا دوسری چیز ہے ارادہ دوسری چیز ہے مجھے خوب یاد ہے کہ میرے بچپن میں دو شخص حج کو جانے کی بابت تذکرہ کررہے تھے ان میں سے ایک نے کہا بھائی ارادہ تو ہر مسلمان کا ہے میں نے کہا کہ صاحب یہ بالکل غلط ہے اگر ارادہ ہر مسلمان کا ہوتا تو ضرور سب کے سب حج کر آتے۔ ہاں یوں کہئے کہ تمنا ہر مسلمان کی ہے سو نری تمنا سے کام نہیں چلتا ارادہ کہتے ہیں سامان کے مہیا کرنے کو مثلاً ایک شخص تو زراعت کرنا چاہتا ہے لیکن اُس کا کوئی سامان مہیا نہیں کرتا اور ایک شخص اُس کا سامان بھی کررہا ہے تو پہلے شخص کو متمنی (۱) اور دوسرے کو مرید (۲) کہیں گے اسی طرح اگر دو شخص جامع مسجد پہنچنا چاہیں مگر ایک تو اپنی جگہ بیٹھا ہوا تمنا ظاہر کئے جائے اور ایک شخص چلنا شروع کردے تو دوسرے کو مرید کہیں گے اور پہلے کو متمنی تو جب ارادہ ہوتا ہے کام بھی ضرور پورا ہوجاتا ہے اگر کسی وجہ سے خود قدرت نہیں ہوتی تو کوئی رہبر مل جاتا ہے جو معین ہوکر (۳) کام پورا کردیتا ہے اسی کو کہتے ہیں (اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہ) ’’کوشش کرنا میری طرف سے ہے اور اس کو پورا کرنا اللہ کی طرف سے ہے)

پس کام شروع کردینا چاہئے خدا تعالیٰ خود مدد کریں گے اور کام پورا ہوجائے گا۔

ارادے اور ہمت کا کمال

میں ایک عالی ہمتی کی حکایت آپ کو سناتا ہوں۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے

---

(۱) تمنا کرنے والا (۲) ارادہ کرنے والا (۳) مددگار ہوکر۔

کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے بلایا ہے تو جس مکان میں ان کو لے کر گئی ہے تو یکے بعد دیگرے سات حصے اُس مکان کے تھے اور ہر حصہ مقفّل تھا اور قفل بھی ہر حصے کے نہایت مضبوط تھے غرض پورا سامان کیا گیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام باہر نکل کر نہ جاسکیں آخر زلیخا نے حضرت علیہ السلام سے اپنی خواہش کا اظہار کیا دھمکی بھی دی لجاجت بھی کی لیکن عصمتِ نبوت کے سامنے ایک بھی نہ چلی۔ واقعی حضرت یوسف علیہ السلام ہی کا کام تھا کہ اس مصیبت میں بھی ان کو اتنا قوی توکل رہا جو آگے معلوم ہوگا آپ نے دیکھا کہ مکان سب مقفّل ہیں نکلنے کی کوئی صورت بظاہر نہیں مگر ساتھ ہی قوتِ توکل نے ہمت دلائی کہ مجھ کو اپنا کام تو کرنا چاہیئے خدا تعالیٰ ضرور مدد کریں گے چنانچہ آپ نے وہاں سے بھاگنا شروع کیا اور زلیخا آپ کے پیچھے ہوئی لکھا ہے جس دروازے پر آپ علیہ السلام پہنچتے تھے قفل ٹوٹ کر گر جاتا تھا اور دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا۔ اسی طرح ساتوں دروازے کھل گئے اور آپ صحیح وسالم عفّت کے ساتھ باہر نکل آئے اسی کی طرف اشارہ کر کے مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسفؑ وارمے باید دوید

کہ اگرچہ قصرِ عالم میں کوئی دروازہ نظر نہیں آتا کہ اُس سے نکل کر تم نفس وشیطان کے پھندے سے بچ سکو لیکن مایوس پھر بھی نہ ہونا چاہیئے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑنا تو چاہیئے پھر دیکھئے دروازہ پیدا ہوتا ہے کہ نہیں۔

نیکی اختیار کرنے میں ٹال مٹول

بہت لوگ اس انتظار میں ہیں کہ فلاں کام سے فراغت کرلیں تو پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کی تدابیر میں لگیں کسی کو لڑکے کی نکاح کی فکر ہے کسی کو مکان بنانے کی فکر ہے کسی کو جائداد کا شغل ہے۔ صاحبو! ذرا غور کرو کتنے برس یہ کہتے

ہوئے گذر گئے کہ اب کے برس کچھ ضرور کرلیں گے مگر آج تک ضروریات اور حاجات کا سلسلہ ختم ہونے نہیں آتا

ع لا ینتھی ادب الّا الٰی ادب

دنیا کی ہر ضرورت کا خاتمہ ایک نئی ضرورت پر ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ دوسری ضرورت پر وَھٰکَذَا اِلٰی غیر النھایۃ (۱) آخر یہ عمرِ دنیا یوں ہی تمام ہوجاتی ہے پس امروز فردا (۲) پر ٹالنے سے کیا فائدہ ہمت کرکے کام شروع کردینا چاہیئے خدا تعالیٰ خود مدد کریں گے کامل نہ ہوگے تو خالی بھی نہ رہوگے اگر تم کو صدیقیت کا درجہ بھی نصیب نہ ہوا تو کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی ہورہوگے کم ازکم خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک محبت اور لگاؤ دنیا سے بے تعلقی اور طبیعت کا اُچٹاؤ (۳) ضرور ہی ہوجائے گا مگر افسوس ہے کہ ہماری یہ حالت ہے

ہر شبے گویم کہ فردا ترکِ ایں سودا کنم بازچوں فردا شود امروز را فردا کنم

''ہر رات وعدہ کرتا ہوں کہ کل اس پاگل پن کو چھوڑ دوں گا اور جب کل ہوجاتی ہے تو اگلے دن پر ٹال دیتا ہوں''

کہ روز یہی وعدہ رہا کہ کل ضرور کرلیں گے مگر ساری عمر اسی کل کل میں گذر گئی اور کل نصیب نہ ہوئی حتی کہ موت کا وقت سر پر آجاتا ہے اور اس وقت بجز حسرت کے اور کچھ نہیں بن پڑتا اور یہ تمنا کرتا ہے کہ ﴿رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ لا فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ (۱) ''اے میرے پروردگار کیوں نہیں مؤخر کردیا مجھ کو تھوڑی سی مدت کے لئے تاکہ میں تصدیق کرتا اور صالحین میں سے ہوجاتا''

---

(۱) یہ تمناؤں کا سلسلہ اسی طرح غیر متناہی ہے (۲) آج کو کل پر ٹالنے کا کیا فائدہ (۳) دنیا سے طبیعت بیزار ضرور ہوجائیگی۔

مگر یہ تمنا رد کر دی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ ’’اور ہرگز نہ مہلت دے گا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو جبکہ آجائے اُس کا وقت‘‘ کہ اب ایک ساعت کی مہلت بھی نہیں مل سکتی۔

موت کا وقت آنے کے بعد مہلت نہیں ملتی

اور صاحبو! ہم تو کیا چیز ہیں کہ ہم کو کچھ مہلت مل سکے حضرت سلیمان علیہ السلام جو کہ نبی معصوم و مقبول ہیں انہوں نے جب بیت المقدس کی تعمیر شروع فرمائی اور اختتامِ تعمیر سے قبل آپ کی وفات کا وقت آ گیا تو آپ نے یہ تمنا کی کہ بیت المقدس کی تعمیر تیار ہو جانے تک مہلت دی جائے لیکن قبول نہ ہوئی۔ غور کیجئے نبی کی درخواست اور بیت المقدس کی تعمیر کے لئے! مگر نامنظور۔ آخر آپ نے یہ درخواست کی کہ مجھے اس طرح موت دی جائے کہ جنات کو میری موت کی اطلاع اس وقت تک نہ ہو جب تک کہ یہ تعمیر پوری نہ ہو جائے چنانچہ یہ درخواست منظور ہوئی اور آپ حسبِ عادت اپنے عصاء پر سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور اُسی حالت میں روح قبض ہو گئی اور سال بھر تک آپ کی لاش اُسی طرح کھڑی رہی۔ جنات نے آپ کو زندہ سمجھ کر کام جاری رکھا حتیٰ کہ جب تعمیر پوری ہو گئی اُس وقت آپ کی لاش زمین پر گر گئی اور جنات کو اُس وقت آثار سے معلوم ہوا کہ آپ کے انتقال کو اس قدر زمانہ گذر گیا ہے اسی کو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾ (۱) ’’اور نہیں خبردار کیا اُن (جنات) کو اُن (حضرت سلیمان علیہ السلام) کی موت کے واقع ہونے پر لیکن زمین پر رینگنے والے

(۱) سورۂ سبا: ۱۴۔

جانوروں نے جو کھا رہے تھے اُس ڈنڈے کو پس جب وہ گرے تب جنات پر دلیل ظاہر ہوئی کہ اگر غیب کی باتوں کو جانتے ہوتے تو اس رسوائی کے عذاب میں نہ ٹھہرے رہتے''

اور اس طریقہ پر موت دینے سے لوگوں کو یہ بھی ہدایت ہوگئی کہ جنوں کو علم غیب نہیں تو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس (۱) تیار کرنے کے لئے مہلت نہیں دی گئی تو ہم کو بیت المدنس (۲) تیار کرنے کے لئے مہلت کب مل سکتی ہے۔

ہمارے ارادے کا حال

غرض اس جملہ تقریر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہم لوگ ارادہ تو کرتے ہیں لیکن ارادۃ الفعل نہیں کرتے (۳) کیونکہ ارادۃ الفعل وہ ہے جو کہ مقارن ہو فعل (۴) کے ساتھ کہ اس کے بعد فعل مختلف (۵) ہی نہ ہو اور جس کو ہم ارادہ کہتے ہیں وہ نری ہوس (۶) ہے دیکھئے اگر ایک شخص کھانا کھانے کا ارادہ کرے لیکن نہ ہاتھ ہلائے نہ منہ چلائے نہ منہ کھولے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے کھانے کا ارادہ کیا ہاں یہ کہیں گے کہ اس نے کھانے کی ہوس اور تمنا کی اور جو لوگ بزرگوں کی توجہ کے امیدوار بیٹھے ہیں اُن سے کوئی یہ تو پوچھے کہ کیا ان بزرگ کو بھی نری توجہ (۷) سے سب کچھ حاصل ہوگیا تھا یا ان کو کچھ کرنا پڑا تھا اگر ان کو کچھ خود بھی کرنا پڑا ہے تو کیا وجہ کہ تم کو نری توجہ سے حاصل ہو جائے۔ اور بزرگوں کی توجہ سے انکار نہیں بیشک بزرگوں کی توجہ سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے لیکن اُس توجہ کے اثر کے لئے محلِ قابل کی بھی ضرورت ہے دیکھو اگر کھیتی کرنا چاہو تو زمین میں تخم ریزی (۸) کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ تخم ریزی

---

(۱) پاکیزہ گھر یعنی قبلہ اول (۲) گندے گھر (۳) کام کرنے کا ارادہ نہیں کرتے (۴) کام کرنے کا ارادہ، جب پایا جائے گا کہ کام شروع کر دیا جائے (۵) اس ارادہ کے بعد کام سے رکے ہی نا (۶) وہ صرف خواہش ہے ارادہ نہیں (۷) صرف توجہ کرنے سے (۸) بیج ڈالنے کی۔

اُس وقت کار آمد ہوتی ہے جبکہ زمین بنجر نہ ہو ورنہ تخم بھی ضائع ہوتا ہے(۱) اور محنت اور جانکا(۲) ہی بھی رائیگاں جاتی ہے پس اول قابلیت پیدا کرو اور اُس کا طریقہ یہ ہے کہ اول ارادہ کرو۔ ہاں نرا ارادہ بھی کافی نہیں جب تک کہ توجہ بزرگان نہ ہو کیونکہ ؎

بے عنایاتِ حق وخاصانِ حق　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

''بغیر خدائے تعالیٰ ان کے مخصوص بندوں کی عنایت اور مہربانیوں کے اگر بادشاہ ہو تو اُس کی ہستی کا ورق بھی سیاہ ہوجاتا ہے''

ضرورت بزرگان

اصل میں ارادہ کے پورا ہونے کے لئے اُس کی ضرورت ہے کہ عنایتِ خداوندی متوجہ ہو اور اُس کی علامت یہ ہے کہ بزرگان خود متوجہ ہوں اکیلے کوئی کسی کا کام نہیں ہوا ؎

یار باید راہ را تنہا مرد　　بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

''کہ اس جنگل میں تنہا نہ چلو کسی رہبر کو ضرور ساتھ لے لو کہ وہ تم کو رستے کے خطرات سے محفوظ رکھے آگے کہتے ہیں ؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید　　ہم بہ عَون ہمّت مرداں رسید

''اوّل تو یہ سفر بہت ہی کم لوگ طے کر پاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی کسی واسطہ سے بزرگوں کی توجہ سے ہی کامیاب ہوگئے''

کہ اگر تم نے کسی کی حکایت سن لی ہو کہ وہ بغیر کسی رہبر کے اس رستے کو

(۱) بیج بھی ضائع ہوتا ہے (۲) محنت وجان کھپانا بھی بیکار ہوجاتا ہے۔

طے کر گئے تو اول تو یہ نادر ہے(۱) دوسرے واقع میں وہ بھی کسی کی ہمت کی بدولت منزل تک پہنچے ہیں اگر چہ ظاہر نظر میں معلوم نہ ہو۔اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی بہت سی مخلوق بلا کسی تعلق کے ہمارے لئے دُعا کرتی ہے گو ہم کو خبر بھی نہ ہو تو کوئی شخص اپنے کو مستغنی نہ سمجھے اسی لئے فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق　　　عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق
گر ہوائے ایں سفر داری دِلا　　　دامن رہبر بیگرد پس بیا
در اِرادت باش صادق ای فرید　　　تابیابی گنج عِرفاں را کلید

''بغیر ساتھی کے جو بھی عشق کے راستے میں چلا تو اس کی عمر تمام ہوگئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوسکا۔اے دل اگر اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو کسی راستہ بتانے والے کا دامن پکڑ پھر چل اپنے ارادے میں مخلص ہوجا ،اے فرید تا کہ معرفت کے خزانہ کی کنجی تیرے ہاتھ آئے''

ارادہ اور راہبر کی ضرورت

غرض نہ بغیر چلے کام چلتا ہے نہ بے رفیق سیدھا رستہ ملتا ہے۔دیکھو اگر ایک نابینا شخص کسی جگہ پہنچنا چاہے تو اوّل اُس کو چلنے کی ضرورت ہے اگر چلے ہی نہیں تو ہزار رفیق ملنے پر بھی رستہ قطع نہیں ہوگا اور چلنے کے بعد رفیق ورہبر کی ضرورت ہے کیونکہ اگر رہبر نہ ہوتو ناآشنا رستہ میں کسی جگہ ضرور ٹکّر کھا کر گرے گا۔ بے خطر منزل پر پہنچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے پیروں چلے اور رہبر کا ہاتھ پکڑ لے بالکل ایسی ہی حالت اس رستہ کی بھی ہے کہ ارادہ کرنا اور کام شروع کردینا اپنے پیروں چلنا ہے اور کسی بزرگ کا دامن پکڑ لینا رہبر کا ہاتھ پکڑنا ہے۔

(۱)اس کا وقوع بہت کم ہوا ہے۔

پیری مریدی

اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ لوگ جو آج کل نری پیری مُریدی کو اصل کام سمجھتے ہیں یہ غلطی ہے نری پیری مریدی میں کچھ نہیں رکھا اصل کام خود چلنا ہے اور کسی رہبر کا ہاتھ پکڑ لینا اگرچہ مرید کسی سے بھی نہ ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ سلسلہ میں داخل ہونے کے برکات کچھ بھی نہیں ہیں اس کے برکات ضروری ہیں لیکن اِسی کو اصل الاصول سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ آج اس پیری مُریدی کے متعلق وہ جہل پھیلا ہے کہ الامان الحفیظ (۱)۔

جاہل پیر کی حکایت

میرے ایک دوست بیان کرتے ہیں کہ ایک مکّار پیر صاحب کسی گاؤں میں پہنچے اتفاق سے بہت ہی نحیف (۲) ہورہے تھے مُریدوں نے پوچھا کہ پیر تم اس قدر ضعیف کیوں ہو پیر صاحب نے جواب دیا کہ ظالمو تمہیں میرے ضعف کی خبر نہیں۔ دیکھو میں اپنا بھی کام کرتا ہوں اور تمہارا بھی۔ تم نماز نہیں پڑھتے میں تمہاری طرف سے نماز پڑھتا ہوں تم روزہ نہیں رکھتے میں تمہاری طرف سے روزے رکھتا ہوں اور سب سے بڑی مشقت یہ ہے کہ سب کی طرف سے پلصراط پر چلتا ہوں جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے بس ان فکروں نے لاغر کردیا۔ مُرید یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور ایک گوجر نے خوش ہوکر کہا کہ پیر میں نے تجھے اپنا مونجی (۳) کا کھیت بخشدیا پیر کو خیال ہوا کہ دیہاتی لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے اسی وقت چل کر قبضہ کرلینا چاہیئے۔ کہا بھائی ابھی چل کر دیدو چنانچہ وہ گوجر

---

(۱) اللہ اس گمراہی سے محفوظ رکھے (۲) کمزور (۳) چاول جس کھیت میں بوئے تھے وہ تم کو دیا۔

ساتھ ہولیا رستے میں اتفاق سے کسی ڈول سے(۱) پیر صاحب کا پیر پھسل گیا۔ اور گر گئے گرنے کے ساتھ ہی اُس گوجر نے ایک لات رسید کی(۲) اور کہا کہ تو جب اتنی چوڑی مینڈ پر نہیں چل سکا تو پلصراط پر کس طرح چلتا ہوگا تو جھوٹا ہے جا ہم تجھے اپنا کھیت نہیں دیتے۔

خود کام کرنے کی ضرورت

تو صاحبو! سچ بات یہی ہے کہ کام اپنے ہی کئے سے ہوتا ہے کسی دوسرے کے کئے کوئی کام نہیں ہوتا اور میں کہتا ہوں کہ اگر دوسرے کے کرنے سے کام ہوجاتا ہے اور اپنے کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تو اس کی کیا وجہ کہ یہ قاعدہ دین ہی کے کاموں میں برتا جاتا ہے دنیا کے کاموں سے بھی کیوں ہاتھ نہیں اُٹھالیا جاتا اور ان کو بھی کیوں پیر صاحب کے بھروسے پر نہیں چھوڑ دیا جاتا۔ بس نہ کھاؤ نہ پیو نہ کھیتی کرو سب کام تمہاری طرف سے پیر ہی کرلیا کریں گے ان ہی کے کھانے سے تمہارا پیٹ بھر جائے گا اُن ہی کے پانی پینے سے تمہیں تسکین ہوجائے گی۔ افسوس ان کاموں میں تو اس قاعدے پر عمل نہ کیا گیا بلکہ اپنے کرنے کو ضروری سمجھا گیا اور دین کے کام کو اس قدر سستا اور بے وقعت سمجھا گیا کہ اُس میں اس قسم کے قاعدے برتے گئے۔

جواب لاجواب

اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ اَودھ میں ایک پیر تھے کہ وہ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اُن کے مرید کہا کرتے تھے کہ مکہ میں جا کر نماز پڑھتے ہیں میرے ایک دوست نے سن کر کہا کہ صاحب اس کی کیا وجہ کہ نماز کے لئے تو مکہ کو اختیار کیا

(۱) کھیتوں میں چلنے کے لئے بنی ہوئی پگڈنڈی جس پر پیدل چلتے ہیں (۲) لات ماری۔

جائے اور کھانے ہگنے کے لئے ہندوستان کو اگر نماز وہاں پڑھی جاتی ہے تو کھانا ہگنا بھی وہیں ہونا چاہیئے اور اگر یہ ہندوستان میں ہوتا ہے تو نماز بھی ہندوستان میں ہونی چاہیے، کیوں کہ ہندوستان بم پولیس (۱) نہیں ہے۔

پیری مریدی کی حقیقت

اور اپنے اس قاعدے میں کہ سب پیر ہی کرلیں گے غور کرکے دیکھو اس کا حاصل تو یہ ہے کہ گویا پیر تمہارے کمین ہیں (۲) کہ گناہ تم کرو اور پیر اُس کو اُٹھائیں یاد رکھو کہ پیر صرف رستہ بتلانے کے لئے ہیں کام کرنے کے لئے نہیں کام تم کو خود کرنا چاہیئے اس تقریر پر شاید اہلِ فن کو یہ شبہ ہو کہ بعض مرتبہ مرشد کی توجہ سے طالب کے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جو کہ خود محنت کرنے سے پیدا نہیں ہوتی سو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف اس کیفیت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اگر خود کچھ نہ کیا جائے تو یہ کیفیت باقی بھی نہیں رہتی۔ اس کیفیت کی مثال ایسی سمجھنی چاہیئے جیسے آگ کے سامنے بیٹھنے سے بدن کا گرم ہوجانا لیکن یہ گرمی باقی نہیں رہتی آگ کے سامنے سے ہٹ کر ہوا لگی کہ بدن میں ٹھنڈک پیدا ہوئی۔ اسی طرح کیفیت میں بھی پیر سے جدا ہوتے ہی کورے کے کورے رہ جاتے ہیں۔

محنت کا فائدہ

ایک بزرگ نے اپنے ایک ہم عصر بزرگ سے کہا کہ تم اپنے مریدوں سے محنت لیتے ہو اور ہم نہیں لیتے انہوں نے یہ سنکر اپنے ایک مرید سے کہا کہ تم ذرا ان کے مرید سے مصافحہ تو کرو مصافحہ کرنا تھا کہ وہ کم محنت مرید خالی رہ گئے پیر نے ان سے کہا کہ دیکھا نتیجہ محنت نہ کرنے کا اب تم ہمارے کسی مرید کو تو اس طرح کورا کردو بات یہ ہے کہ اپنی کمائی کی قدر بھی خوب ہوتی ہے اور مفت کی چیز کی کچھ قدر نہیں ہوتی ہے

(۱) ہگنے کی جگہ نہیں ہے (۲) کوڑا اٹھانے والے بھنگی۔

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرصِ ناں دہد

’’جو شخص سستا کماتا ہے وہ سستا دیتا ہے۔ بچہ روٹی کی ٹکیہ کے بدلے موتی دے دیتا ہے‘‘

مشہور ہے کہ ایک شخص اَدھوڑی کا جوتہ دوشالے سے جھاڑ رہا تھا لوگوں نے اُس سے سبب پوچھا تو کہا کہ دوشالہ تو میرے والد کی کمائی کا ہے اور جوتہ میری کمائی کا ہے۔تو جو لوگ اپنے بوتہ پر کرتے ہیں اُن کی حالت ساری عمر یکساں رہتی ہے البتہ اُن میں شوروغل اُچھل کود نہیں ہوتی اور نہ یہ مطلوب ہے۔

طریق تربیت

دیکھو اگر کوئی بچے کی تربیت کرنا چاہے تو طریقہ اُس کا یہ ہے کہ اس کو تھوڑا تھوڑا کھلائے کہ جز و بدن ہو اور اس سے نشوونما پیدا ہو۔اسی طرح شیخ کامل بھی ایک ہی دن سب کچھ نہیں بھر دیتا کیونکہ اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ طالب کو حالات کا ہیضہ ہو اور ایک ہی دن میں خاتمہ ہو جائے بلکہ وہ بتدریج اس کو آگے بڑھاتا ہے اور جو لوگ اناڑی ہیں اور طریقِ تربیت سے ناواقف و ناآشنا ہیں وہ ایک دم میں بھر دینا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کو عوام الناس بہت بزرگ سمجھتے ہیں حالانکہ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے تعلقات اس سے چھوٹ جاتے ہیں نہ بیوی کے کام کا رہتا ہے نہ بچوں کے اور یہ کمال نہیں بلکہ نقص ہے ۔

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

’’تو ملانے کے لئے آیا ہے نہ کہ جدائی پیدا کرنے کے لئے‘‘

خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں ایک عام عنوان سے فرماتے ہیں:

﴿وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ ’’اور وہ لوگ قطع کرتے ہیں اس چیز کو

جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے"

افسوس آج اسی کو کمال سمجھا جاتا ہے اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بزرگ ہیں دیکھئے اولاد کو منہ بھی نہیں لگاتے بیوی تک کو نہیں پوچھتے ہر وقت قربِ خداوندی میں غرق رہتے ہیں صاحبو کیا کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے بھی قرب میں زیادہ ہوسکتا ہے کبھی نہیں۔

حقیقت کمال اتباع رسول ہے

پھر دیکھ لیجئے کہ حضور ﷺ کی حالت کیا تھی آپ ﷺ ازواج مطہرات کے حقوق بھی ادا فرماتے تھے اولاد کے حقوق بھی ادا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سیدنا حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ایک کو پیار کر رہے تھے اور ایک نجد کے رئیس پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے دس بیٹے ہیں۔ میں نے تو آج تک کسی ایک کو بھی کبھی پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ نے تیرے دل ہی میں سے رحم نکال لیا تو اس کو میں کیا کروں۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا) "جس شخص نے نہیں رحم کیا ہمارے چھوٹوں پر اور جس نے نہ احترام کیا ہمارے بڑوں کا پس وہ ہم میں سے نہیں ہے"

اس واقعہ سے پورا اندازہ حضور ﷺ کی حالت اور مرضی کا ہوگیا ہوگا۔ پس نرا جوش اور مستی یا ترکِ تعلقات واجبۃ الابقاء(۱) بزرگی نہیں ہوسکتا اور اگر اسی کا نام بزرگی ہے تو نشہ، شراب اور حالت جنون بھی بزرگی ہے(۲) کیونکہ ان دونوں

(۱) حالت جوش اور ان تعلقات کو ترک کرنا جن کو نباہنا ضروری ہے بزرگی نہیں ہے (۲) اگر اس بے خودی کا نام ہی بزرگی ہے تو شراب کے نشہ میں مست اور مجنون بھی بزرگ ہوں گے۔

میں یہ بات خوب حاصل ہوجاتی ہے۔ صاحبو بزرگی کا معیار یہ ہے کہ جتنی درویشی میں ترقی ہوتی جائے حضور ﷺ کے ساتھ مشابہت بڑھتی جائے کیونکہ ولایت مُستفاد عن النبوۃ ہے[1] افسوس یہ ہے کہ یہ لوگ علماء کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لئے بہت سی غلطیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

خودتراشیدہ معیار بزرگی

چنانچہ بزرگی کا ایک معیار یہ بھی تراش رکھا ہے کہ جو شخص آنکھیں چار ہوتے ہی مدہوش کردے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دے وہ بڑا بزرگ ہے حالانکہ یہ بالکل ہی لغو ہے۔

حضور ﷺ کی حالت

اگر یہ بزرگی ہے تو حضور ﷺ کو تو ضرور اس کو برتنا چاہئے تھا پھر کیا وجہ کہ جب کفار نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ اس کے منتظر رہے کہ یہ لوگ غافل ہوجائیں تو میں نکل کر جاؤں کیوں آپ نے ایک ہی نگاہ میں سب کو مدہوش نہیں کردیا۔ جب مدینہ طیبہ تشریف لے چلے تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ چاروں طرف دیکھتے چلتے تھے سراقہ جو کہ آپ کی تلاش کے لئے بھیجا گیا تھا جب سامنے آگیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ سراقہ چلا آرہا ہے آپ ﷺ نے اُس وقت بھی خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ (اَللّٰھُمَّ اکْفِنَا شَرَّہٗ) ''اے اللہ روک دے ہم سے اُس کے شر کو''

چنانچہ پیٹ تک اُس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا سراقہ نے کہا کہ غالباً آپ نے میرے لئے بددعا کی ہے میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ سے

(۱) ولایت بزرگی نبوت ہی سے مستفاد ہے کہ نبی کا اتباع کرنے سے ہی ولایت ملتی ہے۔

دعا کریں کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں قریش کو آپ کا پتہ نہ دونگا چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور اُس کا گھوڑا زمین سے نکل آیا اور پھر کسی سے اطلاع نہیں کی۔ اس واقعہ سے آجکل کے لوگوں کو سبق لینا چاہیئے کہ اُس زمانہ کے کفار میں بھی صدق وایفائے عہد تھا۔

ایفائے عہد

آج کل کی طرح پولٹیکل چالیں نہ تھیں بلکہ آج سے چند روز پیشتر تک بھی یہ اوصاف اکثروں میں موجود تھے مگر صد حیف کہ آج بالکل مفقود ہیں اور بالخصوص مسلمانوں کی حالت تو اس وقت بہت ہی ناگفتہ بہ ہے دن میں سینکڑوں جھوٹے وعدے کرتے ہیں بیسیوں مکر کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ رنج کی بات یہ ہے کہ مقدسین بھی اس حالت سے پاک نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

بقمار خانہ رفتم ہمہ پاکباز دیدم چو بہ صومعہ رسیدم ہمہ یافتم ریائی

کہ میں قمار خانہ میں گیا تو دیکھا کہ سب پاکباز جمع ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قمار خانہ کے جو مقرر کردہ اصول تھے سب کے سب اُن پر چل رہے تھے اُس میں کسی قسم کا دغل نہ تھا(۱) اور بعنوانِ محاورہ کسی قسم کی بے ایمانی نہ تھی کیونکہ وفائے عہد کو لوگ ایمانداری کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جن اصول پر قمار(۲) ٹھہرا تھا اُن میں خلاف عہد نہ ہوتا تھا اور جب صومعہ میں گیا تو دیکھا کہ جن اصول پر یہاں حق تعالیٰ سے عہد کیا تھا اُس میں وفا نہیں اور اُن کو پورا نہیں کیا جاتا مثلاً عہد کیا تھا کہ ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ ''ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں''

(۱) دھوکہ دہی نہ تھی (۲) جواء کھیلنے کے جو اصول مقرر کئے تھے سب اس کی پابندی کررہے تھے۔

حالانکہ اس عہد کو وفا نہیں کیا جاتا کیونکہ دل میں ہزاروں غیر اللہ من وجہٍ درجۂ معبودیۃ اور مستعانیۃ لئے ہوئے بھرے ہیں (۱)۔

پہلے لوگوں کی سادگی

صاحبو پہلے لوگ اس قدر سیدھے سادے بھولے ہوتے تھے کہ ان کو کسی قسم کی چالاکی آتی ہی نہ تھی میرے ایک رشتہ دار بزرگ بیان کرتے تھے کہ اُن کے والد زمیندار تھے ایک مرتبہ کاشتکار اناج لایا ہے اُن زمیندار نے پوچھا کہ یہ کس قدر ہے کاشتکار نے نوے من بتلایا انہوں نے کہا کہ ہم سے تو انسی ۸۰ من ٹھہرا تھا کاشتکار نے کہا نہیں جناب نوّے من ٹھہرا تھا بہت دیر تک اس میں جھگڑا رہا آخر ان کے صاحبزادے نے بہت سی کنکریاں جمع کر کے ایک ڈھیر نوّے کنکریوں کا اور دوسرا انسی ۸۰ کنکریوں کا لگایا اور ان زمیندار سے گنوا کر پوچھا کہ انسی ۸۰ زائد ہیں یا نوے انہوں نے نوّے ۹۰ کو زائد بتلایا تو انہوں نے کہا کہ کاشتکار اس قدر من دینا چاہتا ہے جس قدر یہ نوّے کنکریاں ہیں تب ان دونوں کا جھگڑا ختم ہوا۔ سبحان اللہ کیسے اچھے وقت تھے کہ کفار میں بھی چالیں نہ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ سراقہ نے جو عہد آپ سے کیا تھا اُس کو پورا کیا اور جو شخص اُس کو رستے میں ملتا گیا اُس سے کہتا گیا کہ میں بہت دور تک دیکھ آیا ہوں ادھر کہیں نہیں ملے اور حضور ﷺ نہایت امن وامان سے مدینے پہنچ گئے۔ تو دیکھئے حضور ﷺ نے سراقہ کے ساتھ یہ نہیں کیا کہ اُس کو ایک نظر میں اُڑا دیتے یا گرا دیتے بلکہ خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تشویش سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور ﷺ سے اس کا یعنی نظر بیہوش کرنے کا کبھی احتمال ہی نہ تھا ورنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پریشان نہ ہوتے بلکہ مطمئن

(۱) دل میں کتنے ہی غیر اللہ کو بسایا ہوا ہے کہ ان سے مدد مانگی جاتی ہے اور ان کی عبادت کی جاتی ہے۔

رہتے کہ حضور ﷺ ایک نظر بھی کریں گے تو یہ فوراً لوٹ پوٹ ہو جائے گا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی کمال نہیں۔

بزرگوں کی توجہ کی حکایت

ہاں نظر و توجہ سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ راہ پر لگا یا جائے آگے جو کچھ ہوتا ہے اپنے کرنے سے ہوتا ہے۔

چنانچہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ بڑے امیر زادہ ہیں اور نظر کردہ ہیں ان کی حالت یہ تھی کہ متوحشانہ (۱) جنگلوں میں پھرا کرتے تھے ان کے والد ان کو نکما بیکار سمجھا کرتے تھے حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کو مکشوف ہوا (۲) کہ فلاں مقام پر فلاں رئیس کا ایک لڑکا ہے اس کی تربیت کرو حضرت نجم الدین تشریف لائے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ کے والد نے نہایت تعظیم و تکریم سے مہمان کیا اور عرض کیا کہ کیسے تکلیف کی انہوں نے فرمایا کہ اپنے بیٹوں کو جمع کرو چنانچہ انہوں نے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے سوائے سب بیٹوں کو بلا کر پیش کیا آپ نے سب کو دیکھا اور فرمایا کہ کیا ان کے سوا کوئی اور لڑکا نہیں حافظ کے والد حافظ رحمۃ اللہ علیہ کو کالعدم (۳) کہتے تھے اس لئے جواب دیا کہ اور کوئی نہیں انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے اور وہ ان میں معلوم نہیں ہوتا تب انہوں نے کہا کہ ایک اور ہے مگر نہایت آوارہ دار (۴) جنگلوں میں پھرتا ہے حضرت نجم الدین نے فرمایا کہ ہاں اُسی کی ضرورت ہے حافظ رحمہ اللہ کے والد کو بڑا تعجب ہوا کہ اُس دیوانے سے حضرت کو کونسا کام ہوگا اور یہ خبر نہ تھی۔

ع   کہ آبِ چشمۂ حیواں درون تاریکی ست

"آب حیات کا چشمہ تو تاریکی میں ہے"

---

(۱) وحشیوں کی طرح (۲) بذریعہ کشف معلوم ہوا (۳) انکو یہ سمجھتے تھے کہ گویا وہ ہیں ہی نہیں (۴) آوارہ جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے۔

چنانچہ تلاش کے بعد حافظ ملے وحشی خاک آلودہ (۱) اور ان کو حضرت نجم الدین کبریٰ کے سامنے پیش کیا گیا حافظ رحمہ اللہ نے جب حضرت کی صورت دیکھی تو بے اختیار زبان سے نکلا۔

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند — آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
در دم نہفتہ بہ زطبیبانِ مدعی — باشد کہ از خزانۂ غیبش دوا کنند

''یہ وہ لوگ ہیں جو ایک نظر سے مٹی کو کیمیا بنا دیتے ہیں، کیا وہ ہماری جانب بھی التفات فرمائیں گے ان بڑے بڑے دعوے کرنے والے طبیبوں سے میرا درد چھپائے رکھنا ہی اچھا ہے۔ انہیں چاہیئے کہ خزانہ غیب سے میری دوا کریں''

آپ نے سینے سے لگا کر فرمایا کہ بہ تو نظر کردم (۲)

حضرت نجم الدین کبریٰ کا مقام بلند

حضرت نجم الدین کبریٰ بہت بڑے شخص ہیں ان کا انتقال اس طرح ہوا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے کسی کو کوئی شعر پڑھتے سنا کہ اس کا ایک مصرعہ یہ تھا۔

جاں بدہ وجاں بدہ وجاں بدہ (۳)

آپ نے فرمایا کہ افسوس محبوب جان طلب کر رہا ہے اور کوئی نہیں سنتا اور فرمایا کہ۔ جان دادم وجاں دادم وجاں دادم (۴) اور اس میں انتقال ہو گیا۔

بعد توجہ عمل کی ضرورت

غرض حافظ رحمہ اللہ کو سینے سے لگا کر انہوں نے فیض دیا لیکن وہ فیض کافی

---

(۱) مٹی میں لت پت وحشیانہ شکل وصورت میں ملے (۲) تجھ پر ہم نظر کرتے ہیں (۳) جان دیدو جان دیدو جان دیدو (۴) میں جان آپ کے سپرد کرتا ہوں میں جان دیتا ہوں میں جان دیتا ہوں۔

نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد یا اُس سے قبل مجاہدے کی بھی ضرورت ہوئی یہ دوسری بات ہے کہ قابلیت تامّہ کی وجہ سے زیادہ مجاہدے کی ضرورت نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جولوگ قوی الاستعداد ہوتے ہیں ان کو تھوڑے کام میں بہت کچھ نفع ہوجاتا ہے۔

ایک نظر میں کامل کردینے کی وجہ

حضرت سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے پاس ایک شخص آیا اور ایک ہفتہ میں خلافت لیکر چلا گیا آپ کے دوسرے مرید اس کو دیکھ کر دل میں بہت خفا ہوئے اور یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ شیخ ہماری طرف پوری توجہ نہیں فرماتے آپ نے ان لوگوں کے انداز سے اس وسوسہ کو تاڑ لیا(۱) اور ان کے علاج کے لئے فرمایا کہ کچھ تر اور کچھ سوکھی لکڑیاں جمع کرو جب جمع ہوگئیں تو فرمایا کہ گیلی لکڑیوں میں آگ لگاؤ سب نے بہت کوشش کی لیکن اُن میں آگ نہ لگی اُس کے بعد فرمایا کہ ان سُوکھی لکڑیوں میں آگ لگادو چنانچہ اُن میں فوراً آگ سلگ اُٹھی۔ آپ نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ یہ لکڑیاں اس قدر جلد کیوں سُلگ اُٹھیں اور پہلی لکڑیوں میں کیوں آگ نہیں لگی ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضور پہلی لکڑیاں گیلی تھیں اور یہ سوکھی ہیں گیلی لکڑیوں میں آگ نہیں لگا کرتی آپ نے فرمایا کہ ظالمو تم گیلی لکڑیاں ہوکر میری شکایت کرتے ہو اور اس سوکھی لکڑی کے جل اُٹھنے پر تعجب کرتے ہو وہ سوختہ ہوکر آیا تھا صرف ایک پھونک ہی کی ضرورت تھی چنانچہ ایک ہی پھونک میں بھڑک اُٹھا اور تم گیلی لکڑی ہو کہ رات دن دھونکتا ہوں (۲) مگر تم آگ ہی نہیں پکڑتے سو اس میں میری جانب سے کمی ہے یا تمہارا قصور ہے غرض بعضے سوختہ دل ایسے بھی ہوتے ہیں

(۱) اندازہ کرلیا (۲) رات دن تمہیں جلانے کی فکر کرتا ہوں۔

کہ اُن کو تھوڑے ہی کام میں سب کچھ حاصل ہو جائے لیکن آگے یا پیچھے کچھ نہ کچھ مجاہدہ ضرور کرنا پڑتا ہے۔

کرنے کا کام

اور کرنے پر بھی جو کچھ ملتا ہے وہ محض فضلِ خدا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ پر کسی کا زور نہیں ہے مگر عادۃ اللہ یوں جاری ہے کہ جو اُدھر توجہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اُس کو بہت کچھ دیتے ہیں: (مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ بَاعًا) ''جو شخص میری طرف ایک بالشت ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں'' کے یہی معنی ہیں تو صاحبو کیا یہ بات کچھ کم ہے کہ کام پیسے کا کیا جائے اور ملے ایک اشرفی (۱)

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را　　　کہ بیک گُل مے خری گلزار را

''اپنے لئے اتنا بڑا بازار حاصل کرتا ہے جو کہ ایک پھول دیکر باغیچہ خریدتا ہے''

کہ دیا تو ایک پھول اور اس کے عوض مل گیا ایک باغ خوب کہا ہے ؎

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد　　　ایں چہ در وہمت نیاید آں دہد

'' آدھی جان لیتے ہیں اور سو جانیں دیتے ہیں اور جو خیر تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتی وہ عطا کرتے ہیں''

کہ آدھی جان لے کر سینکڑوں جانیں دیتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ جو تدبیر کرنے کی ہے لوگ اُسے نہیں کرتے صرف ناتمام تدابیر پر اکتفا کرتے ہیں حالانکہ تدبیر پوری کرنی چاہیئے تب فائدہ مرتب ہوتا ہے۔

(۱) سونے کی ڈلی۔

آخرت کی تیاری کی ضرورت

اب میں مختصر کرتا ہوں اور غفلت عن الآخرۃ(۱) کے مضمون کو ایک جملہ سے واضح کرتا ہوں کہ دیکھئے جب کسی سفر کا قصد ہوتا ہے تو اُس کیلئے کس قدر سامان کرتے ہو کہ مثلاً چار دن پہلے سے دھوبی کو حکم کرتے ہو کہ کپڑے جلدی دینا ناشتہ کا سامان کرتے ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ نہیں کیا جاتا کہ عین وقت پر سارا سامان کیا جائے بلکہ اگر ایسا کیا جاتا ہے تو بیوقوف بنائے جاتے ہیں اور خود بھی اپنے کو بیوقوف سمجھتے ہیں کیوں صاحب جب اس چھوٹے سے سفر کے لئے اتنے پیشتر (۲) سامان فراہم کیا جاتا ہے تو یہ موت کا اتنا بڑا سفر کتنے پہلے اور کتنا بڑا سامان چاہتا ہوگا کیونکہ یہ وہ سفر ہے کہ اس سے پھر کبھی واپسی ہی نہ ہوگی پھر اس کے لئے کیا سامان مہیا کیا۔

مسافروں کی دو قسمیں

دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو اطاعتِ خداوندی میں سرگرم ہیں دوسرے وہ جو مخالفت میں پھنسے ہیں پہلی قسم کے لوگوں کے لئے یہ سفر سفرِ رغبت اور دوسری قسم کے لوگوں کیلئے سفر رہبت ہے اور یہ دونوں صورتیں دنیا کے سفروں میں بھی ہوتی ہیں پس دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کا مدعو ہو جو کہ سفرِ رغبت ہوگا تو اُس کے لئے کیا کچھ سامان پہلے سے کرے گا اپنے پاس نہ ہوگا تو دوسروں سے قرض لے کر مستعار مانگ کر چیزیں جمع کرے گا۔ اور ہر طرح سے درست ہو کر ارادۂ سفر کرے گا اسی طرح اگر کسی شخص نے مثلاً چوری کی ہو اور گورنمنٹ کی طرف سے اُس کے نام سمن آگیا ہو تو غور کیجئے کہ جانے سے پہلے وہ کیا کیا سامان کرے گا

(۱) آخرت سے لاپرواہی (۲) اتنے پہلے سے سامان تیار کیا جاتا ہے۔

اپنی صفائی کے گواہ جمع کرے گا وکلاء سے مل کر مشورہ کرے گا دوست احباب سے رائے لے گا وغیرہ وغیرہ غرض دونوں قسموں کے سفر میں مختلف طرح کے سامان کئے جاتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ جب یہی دونوں صورتیں آخرت کے سفر میں بھی محتمل ہیں اس میں کیوں سامان نہیں کیا جاتا اور سہل انگاری (۱) برتی جاتی ہے۔ صاحبو! یہ تو یقینی ہے کہ سفر آخرت آنے والا ہے پس اگر ہم مطیع ہیں تو یہ سفر ہمارے لئے رغبت اور شوق کا (۲) سفر ہوگا ورنہ رہبت اور خوف (۳) کا سفر ہوگا پس بتلایئے کہ آپ نے رغبت کے کیا سامان جمع کئے ہیں اور خلاصی کی کونسی صورتیں پیدا کی ہیں کونسی عبادت کی ہے کتنے حق العبد ادا کردیئے ہیں۔

بلکہ اگر غور سے دیکھو تو سفرِ آخرت ہر مسلمان کے لئے رغبت اور رہبت دونوں پہلو لئے ہوئے ہے کیونکہ ایمان بین الخوف والرجاء ہے یعنی نہ خدا تعالیٰ پر ناز ہوسکتا ہے اور نہ مایوس ہونا چاہیئے ؎

غافل مرد کہ مرکب مردان زہد را در سنگلاخِ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند (۴)

تو مسلمانوں کی اصل حالت یہ ہونی چاہیئے کہ رغبت اور رہبت ملی ہوئی ہو چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی حالت بیان فرماتے ہیں: (يَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَباً) وصف اُن میں جمع ہیں۔

---

(۱) سہولت پسندی کو اختیار کیا جاتا ہے (۲) شوق وذوق (۳) ڈر وخوف (۴) غفلت مت اختیار کرو کہ زہد کے راستہ میں چلنے والوں کی سواریاں راستہ میں پتھریلے علاقوں سے گذرتی ہیں اور مایوس بھی مت ہو کہ جنہوں نے شراب عشق پی ہوتی ہے وہ ایک ہی جھٹکے میں منزل پہ پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت خوف ورجاء

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میدان قیامت میں یہ ندا ہو کہ صرف ایک شخص جنت میں جائیگا تو مجھے یہ امید ہوگی کہ وہ شخص میں ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ صرف ایک شخص جہنم میں جائیگا تو مجھے یہ اندیشہ ہوگا کہ وہ شخص میں ہی ہوں غرض مسلمان کو ہر وقت رغبت بھی ہونی چاہیئے اور رہبت بھی۔

کثرت استغفار کی ضرورت

اور جب یہ ہے تو ہر وقت استغفار بھی کرتے رہنا چاہیئے اور اعمال میں بھی پوری کوشش ہونی چاہیئے۔ اور صاحبو! ایک آدھ وقت کر لینے سے کام نہیں چلتا ضرورت اس کی ہے کہ روز کا دھندا(۱) ہو جائے فرماتے ہیں: ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج﴾(۲) ''اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور چاہیئے کہ نظر میں رکھے نفس اس چیز کو جس کو اُس نے کل کے لئے بھیجا ہے'' یعنی اس کو سوچو کہ کل کے لئے کیا کر رکھا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ کر معطل ہو جاؤ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی دھن لگ جائے۔ اگر روزانہ نصف گھنٹہ بھی اس تفکر کے لئے نکال لیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت کم نافرمانی ہوگی اور دنیا کی محبت جاتی رہے گی پھر انشاء اللہ تعالیٰ یہ حالت ہوگی کہ تم دنیا کے سب کاروبار کرو گے لیکن اُن کاموں میں جی نہ لگے گا۔

کرنے کے دو کام

اور اس کے بعد دو چیزوں کی اور ضرورت ہوگی ایک تو بقدرِ ضرورت علمِ دین

---

(۱) روزانہ کیا کرے (۲) سورۂ حشر: ۱۸۔

حاصل کرنے کی سو بحمد اللہ اب اس کا سامان بہت میسر ہو گیا ہے اور ہر شخص کو ہر جگہ رہ کر اسکا سیکھنا آسان ہے اس کیلئے یہ کرو کہ کوئی جامع رسالہ لیکر اس کو کسی عالم سے پڑھنا یا اگر پڑھنے کا موقع نہ ہو تو نہایت غور سے دیکھنا شروع کردو اور ہمیشہ اُس کا ورد (۱) رکھو دوسرے کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کرلو مگر تعلق دین کے لئے پیدا کرو دنیا طلبی کے لئے اہل اللہ سے تعلق نہ پیدا کرنا چاہیئے ہاں شاذ و نادر اگر کوئی دنیا کا کام بھی اُن سے نکل جائے تو مضائقہ نہیں ۔لیکن محض دنیا ہی کو نصب العین بنا کر اُن سے راہ و رسم پیدا کرنا نہ چاہیئے۔

اہل اللہ سے لوگوں کا برتاؤ

مثلاً بعضے لوگ اہل اللہ سے اس لئے ملتے ہیں کہ ان کی ملاقات بڑے لوگوں سے ہے ان کے ذریعہ سے ہمارے کام نکلیں گے یا بعضے لوگ تعویذ گنڈوں کے لئے ملتے ہیں۔ حالانکہ اہل اللہ سے اس قسم کے کام لینے کی ایسی مثال ہے کہ کسی سنار سے کھرپا بنانے یا لہار سے زیور بنانے کی فرمائش کی جائے۔ بعض لوگ مشورہ کیا کرتے ہیں کہ ہم کسی قسم کی تجارت کریں اناج کی تجارت کریں یا کپڑے کی خدا جانے یہ لوگ اہل اللہ کو خدا تعالیٰ کا رشتہ دار سمجھتے ہیں کہ انکا بتلانا خدا کا بتلانا ہوگا اور جب خدا تعالیٰ بتلاویگا تو اُس کام میں ضرور نفع ہوگا یا خدا تعالیٰ کا راز دار سمجھتے ہیں کہ یہ خدا سے مشورہ کر کے بتلاوینگے ابھی کل کی بات ہے کہ ایک صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپ کو تو سب خبر ہوگئی ہوگی۔ صاحبو! اس دربار میں انبیاء علیہم السلام کا پتّہ بھی پانی ہوتا ہے (۲) دوسروں کی تو کیا مجال ہے ؎

ہست سلطانی مسلّم مَر وَرا		نیست کس را زہرۂ چوں و چرا

(۱) ہمیشہ پڑھتے رہو (۲) انبیاء بھی ڈرتے ہیں۔

''بادشاہت اور سلطانی صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے اس میں کسی کو اعتراض کرنے کی مجال نہیں ہے''

فرماتے ہیں: ﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ ''آپ یوں پوچھیے کہ اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریمؑ کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی شخص ایسا ہے جو خدا تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے''

تو انبیاءؑ کی نسبت جب یہ کہا جا رہا ہے، تو دوسرے کس شمار میں ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے یاد نہیں رہا کوئی دنیوی فرمائش کی میں نے کہا یہ کام مجھ کو نہیں آتا کہنے لگے کہ اللہ والوں کو سب کچھ آتا ہے میں نے کہا کہ اگر سب کچھ آتا ہے تو کل ایک چارپائی بھی لے آنا کہ اس کو بن دیجئے غرض مولویوں سے صرف اللہ تعالیٰ کے احکام پوچھیئے اور اہلِ طریقت سے اللہ تعالیٰ کا نام پوچھئے دنیا کی فرمائش کسی سے نہ کیجئے۔

دعا کا اہتمام

ہاں دنیا کے لئے دعا کرانے کا مضائقہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے کاموں میں کسی قسم کا ان کا دخل سمجھنا سخت غلطی ہے دعا کے متعلق بھی یہ نہ کرو کہ صرف اُن ہی پر ڈال دو بلکہ تم خود بھی اپنے لئے دعا کرو اور بزرگوں سے بھی دُعا کراؤ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ میں اس قابل ہی نہیں کہ خود دُعا کروں میں نے کہا کہ کلمہ بھی پڑھتے ہو یا نہیں کہنے لگے کہ پڑھتا ہوں میں نے کہا کہ اس کی کیا وجہ کہ تم کلمہ پڑھنے کے قابل تو ہو مگر دعا کرنے کے قابل نہیں۔ یہ شیطان کی شرارت ہے کہ دل

میں یوں ڈالتا ہے کہ دعا کے قابل نہ سمجھنا تواضع ہے ایک صاحب نے یہ فرمائش کی تھی کہ تم ہی استخارہ بھی دیکھ دو غرض اپنے اوپر کسی قسم کی تکلیف نہ ہو سب کچھ دوسرے ہی کر دیں مجھے پھر یاد آتا ہے کہ کھانے میں کبھی یہ نہ سوجھا کہ بزرگوں سے کہتے کہ آپ ہی کھالیا کیجئے ہمارے کھانے کی ضرورت نہیں۔

کامیابی کا گر

تو تتمہ تدبیر کا یہ ہے کہ کام دین کا خود کرو اور بزرگوں سے اُس میں صلاح ومشورہ لیتے رہو اور عمر بھر اسی تدبیر میں لگے رہو یہ نہ کرو کہ چار دن کیا اور چھوڑ دیا کیونکہ ہم کو تو جنم روگ لگا ہے اس کے لئے عمر بھر کی ضرورت ہے۔ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش ... تادمِ آخر دمے فارغ مباش

تادمِ آخر دمے آخر بود ... کہ عنایت با تو صاحب سر بود(۱)

یہ مختصر سا بیان اس آیت کے متعلق تھا میں پھر آیت کا ترجمہ مکرر (۲) کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ اے مسلمانوں اپنی فکر میں لگو کیونکہ تم کو خدا تعالیٰ کی طرف جانا ہے وہ تم کو بتلا دینگے جو کچھ تم کرتے تھے اب میں ختم کرتا ہوں اور پھر کہہ دیتا ہوں کہ یہ ضرور ہونے والا ہے اس لئے اس کے لئے آج ہی سے تیار ہونا چاہیئے اب خدا سے دُعا کیجئے کہ وہ توفیقِ عمل دے۔

تمت (۳)

---

(۱) راہ طریقت میں ہمیشہ اصلاح افعال واعمال میں مشغول رہو فارغ نہ بیٹھو آخری وقت تک کام میں لگے رہو کہ اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہو جائے (۲) دوبارہ (۳) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے استفادہ کرنے والے سب احباب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ